تقریظ، تنقید اور تبصرہ نگاری پر ایک نظر

مولانا محمد جمیل احمد
متخصصِ علومِ حدیث، جامعہ

(پہلی قسط)

تحریر وتصنیف تاریخی لحاظ سے بود وباش کے مختلف سانچوں میں ڈھلتی رہی ہے۔ ایک وقت وہ تھا کہ تحریر وتصنیف چمڑے کے ٹکڑوں، ہڈیوں اور کھجور کی چھالوں پر ہوتی تھی، چنانچہ تصنیف محض جمع ووضع کا نام تھا، تدوین وترتیب کے مستقل اصول موجود نہ تھے۔ موجودہ دور میں رموزِ تحریر فنی اور تحقیقی اعتبار سے تہذیب وتنقیح کے آسمانِ عروج کو چھو چکا ہے، چنانچہ یہ بات مسلم ہے کہ متقدمین کے ہاں آزاد تحریروں میں عموماً ابہام کی جن مشکل صورتوں سے قاری کو دوچار ہونا پڑتا تھا، زمانہ کی تیز رفتاری اور سہولت پسندی کے تقاضے کافی حد تک اس کی تحلیل کر چکے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جن مضامین کو زمانۂ قدیم میں محض چند سطور میں ادا کر دیا جاتا تھا، اب انتہائی بسط ووسعت کے ساتھ کئی کئی صفحات بھی کما حقہ اس کی وضاحت نہیں کر پاتے۔ پھر تالیفِ کتاب بھی ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کر گئی ہے جو ذیلی طور پر بے شمار جزئیات کا مرقع ہوتی ہے۔ خطۃ البحث سے لے کر خاتمۃ الکتاب اور وضعِ فہارس تک اور تقدمۃ الکتاب، مقدمۃ الناشر، مقدمۃ المحقق، مقدمۃ المصنف، تبصرۃ المعاصرین، نقد بر کتاب، تحقیقِ کتاب، تخریجِ کتاب، تعارفِ کتاب، تقریظِ کتاب نثر یا شعر کی صورت میں، اسی طرح پسند فرمودہ، عرضِ حال یا بہ دعا فلاں جیسے بے شمار عنوانات، عربی، فارسی اور اُردو کی حالیہ کتب میں ہر پڑھنے والے کی نظر سے ضرور گزرتے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں تقریظ الکتاب سے متعلق چند اہم مباحث پیشِ خدمت ہیں:

لفظِ تقریظ کی حقیقت

یہ ''تقریظ الأدیم'' سے ماخوذ ہے، یعنی کھال کی دباغت (صفائی) میں حد درجہ مبالغہ کرنا اور ''تقریظ الکتاب'' کا معنی ہے: صاحبِ کتاب اور موادِ کتاب کی خوبیاں بیان کرنا، یہاں تک کہ

اس میں مبالغہ پیدا ہوجائے، چنانچہ کہا جاتا ہے: ''قـرّظ الـرجلَ: أي مدحه و أثنٰی علیه، والتقریظ مدح الإنسان وهو حي''، اس کی ضد ''تابین'' ہے: ''إذا مدحهٗ میتا''، یعنی مرنے کے بعد کسی کی توصیف بیان کرنا، ابوزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''فلان یقرظ صاحبهٗ: إذا مدحهٗ بباطل أو حق.''

لفظ ''تقریض'' جو ضاد کے ساتھ ہے، مشترک لفظ ہے، مدح اور ذم دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: ''قد قرضه: إذا مدحه أو ذمه.'' (لسان العرب، ج:، ص:، مادہ: قرظ، ط: داراحیاء التراث)

تقریظ کا اصطلاحی معنی

دکتور محمد التونجی تقریظ کا اصطلاحی معنی ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''سبغ الثنـاء علـی عمل أدبي أو غیر أدبي أو مدح لشخص علی ما قام به أمام حشد من الحضور.'' (المعجم المفصل، ج:۱، ص:۲۷۳)

''کسی ادبی یا غیر ادبی کارنامے پر کسی کی تعریف میں حد درجہ مبالغہ کرنا یا جم غفیر کے روبرو کسی کی بہترین کارکردگی پر اس کو سراہنا تقریظ کہلاتا ہے۔''

اس کے بعد ''تقریظ الکتاب'' کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''''تـقریظ الکتاب : کتابة جملة سطور في مطلع الکتاب أو في خاتمته تشمل الثنـاء علی مضمون الکتاب واهمیته و الدوافع إلی طبعه أو تالیفه ویکتبها عادةً المؤلف باسم الناشر أو غیرہٖ بأسلوب موجز فیه إثارة دعائیة لاقتناء الکتاب.''

(المعجم المفصل فی الادب)

''کتاب کے شروع یا خاتمۃ الکتاب کے پاس چند تعریفی کلمات لکھنا جو مضمونِ کتاب اور اس کی اہمیت پر مشتمل ہوں، نیز یہ بات بھی لکھنا کہ وہ کون سے اسباب تھے جس نے کتاب کی طباعت یا تالیفِ کتاب کی دعوت دی، عموماً اس قسم کے کلمات مؤلف، ناشرِ کتاب یا کسی اور شخصیت کے نام سے معنون کرتا ہے جو انتہائی مختصر ہوتے ہیں اور اس میں حصولِ کتاب کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے۔''

تقریظ کی اقسام

متاخرین کے ہاں ''تقریظ الکتاب'' کی بنیادی تین قسمیں ہیں:

۱:-تـقـریـظ الـکـتـاب بمدح المؤلف :.......اس قسم کی تقریظ میں صاحبِ کتاب کی علمی شان اور عظمت کو بیان کرنے کے ساتھ ضمنی طور پر کتاب کے محاسن اور خصوصیات کو ذکر کیا جاتا ہے، معائب کو ذکر کرنے سے اجتناب کیا جاتا ہے، لیکن اہلِ تحقیق کے ہاں اس قسم کی تقریظ قابلِ تعریف نہیں ہے۔

۲:-تقریظ بطرز مقدمة المؤلف :.......کتاب کی ابتدا میں ایک طویل مقدمہ ذکر کرنا جس میں کتاب سے متعلق اہم نکات اور موضوع و اغراض کتاب سے متعلق اہم عرض داشت پیش کی جائیں، اس قسم کی تقریظ طوالت کی بنیاد پر مقدمہ کتاب کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔

۳:-تقریظ المترجم و المحقق و الشارح ، قائم مقام مقدمة الکتاب :.......اس قسم کا مقدمہ عموماً کسی کتاب کی تشریح، تحقیق یا ترجمہ کرتے وقت شارح کے ہاتھوں سرانجام پاتا ہے، جس میں کتاب کی خصوصیات اور مدح شامل ہوتی ہے۔ (دانش نامہ بزرگ اسلامی، مرکز دائرہ اسلامی، برگرفتہ از مقالہ تقریظ، ج:۱۴،ص:۶۰۳۱)

تقریظ کی ضد تنقید ہے۔

تنقید کا مفہوم

تنقید نقد سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے کھرے اور کھوٹے میں تمیز کرنا اور اصطلاحاً کسی تعلیمی یا علمی مسئلے یا کتاب پر اس انداز سے غور کرنا کہ اس کتاب کے قوی اور کمزور پہلو نمایاں ہو جائیں۔ (اصولِ تحقیق:۹۲، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد)

تقریظ اور تنقید میں فرق

تقریظ میں بنیادی طور پر کسی کتاب اور صاحبِ کتاب کے محاسن بیان کیے جاتے ہیں اور معائب کے ذکر سے چشم پوشی کی جاتی ہے، جب کہ تنقید میں مقصود معائب کا ذکر ہوتا ہے۔ (لغۃ العرب: انستاس ماری کرملی، ص:۵۰۴۱، بغداد)

تنقید کی نشاۃ

ویسے تو نفسِ تنقید کی بنیاد خیر القرون میں بھی ملتی ہے جس کو محدثین جرح سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن باقاعدہ تنقیدِ کتاب کے لیے بنیادی مآخذ درج ذیل ہیں:

۱:-صحیفہ یرموکیہ

یہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے ہاتھ لگا تھا، لیکن چونکہ اس کا حوالہ مستند نہیں تھا، اس لیے تابعین نے اس پر اعتماد نہیں کیا، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

’’رابعها : أن عبد اللّٰه کان قد ظفر في الشام بحمل جمل من کتب أهل الکتاب فکان ینظر فیها ویحدث منها فتجنب الأخذ عنه لذٰلک کثیر من أئمة التابعین، واللّٰه أعلم۔‘‘ (فتح الباری، ج:۱،ص:۲۰۷، ط: دارالمعرفۃ، بیروت)

۲: - اسماء المدلسین (مؤلفہ: شیخ حسن بن علی الکرابیسی، المتوفی: ۲۴۸ھ)

تدلیس فی الحدیث کے موضوع پر لکھی جانے والی سولہ مشہور کتب میں سے تاریخی اعتبار سے پہلی باضابطہ کتاب ہے، چونکہ مذکورہ کتاب میں علامہ کرابیسی نے بعض کبار تابعین پر نقد کیا تھا، اس لیے کتاب علماء کرام کے ہاں قابلِ نقض قرار پائی، حافظ ابن رجب حنبلیؒ (المتوفی: ۷۹۵ھ) شرح علل ترمذی میں اس کے متعلق رقم طراز ہیں:

’’وقد تسلط كثيرون ممن يطعن في أهل الحديث عليهم بذكر شيء من هٰذه العلل‘‘ ....’’قد ذكر كتابه للإمام أحمد فذمه ذما شديدا ، وكذٰلك أنكره عليه أبو ثور وغيره من العلماء.‘‘ (شرح علل ترمذی، ج:۲،ص:۸۹۲-۸۹۳)

’’علامہ کرابیسیؒ نے اپنی کتاب میں محدثین ثقات پر طعن کیا تھا اور جب کسی مجلس میں امام احمد کے ہاں اس کتاب کا تذکرہ کیا گیا تو امام احمدؒ نے اس پر شدید تنقید کی، اسی طرح ابوثور اور دیگر علماء کے ہاں بھی یہ موجبِ نقد قرار پائی۔‘‘

مذکورہ عبارت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کتبِ تحقیقیہ پر نقد کرنے کا رواج خیر القرون میں عام تھا۔

تنقیدِ کتاب کے لیے سب سے طویل اور وقیع مجموعہ

اس بارے میں سب سے طویل کتاب ’’كتب حذر منها العلماء‘‘ کے نام سے موسوم ہے، مؤلف شیخ ابوعبیدہ مشہور بن حسن بن آل سلمان (معاصر) ہیں۔ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ انتہائی مدلل انداز میں مختلف موضوعات سے متعلق تقریباً ۱۵۰ کتابوں پر متقدمین کی تنقیدات کو جمع کیا ہے۔ اس کے علاوہ خود مؤلف نے بھی عصرِ حاضر کی کئی کتابوں پر نقد کیا ہے، خصوصاً محققین احناف کے خلاف انہوں نے خوب زور آور قلم چلایا ہے۔ اگر اس پہلو سے قطع نظر کیا جائے تو کتاب بہت مفید ہے۔

تقریظ کی نشاۃ اور ارتقاء

درایۃ الحدیث کے اس اصول کے تحت کہ ہر وہ چیز جس کی اصل اور سند نہ ہو، وہ ناقص شمار ہوتی ہے۔ (معرفۃ الحدیث:۶)

یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ کیا تقریظ کی کوئی معتبر اصل واساس ہے یا نہیں؟ دورِ حاضر میں بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ تقریظ اہلِ عجم کی بدعتوں میں سے ایک بدعت ہے، جو خارج از کار وامورِ زائدہ میں سے ہے، لہٰذا تقریظِ کتاب کے لیے مشایخ واکابر کو آمادہ کرنا اہلِ علم کی شان نہیں، لیکن

حقیقت یہ ہے کہ تلاش وتفحص کے بعد کئی ایسے شواہد سامنے آئے ہیں جو تقریظِ کتاب کے لیے کم از کم اصل کی حیثیت اختیار کر سکتے ہیں، ذیل میں اس قسم کے چند شواہد پیشِ خدمت ہیں:

۱:- ظالم بن عمرو ابوالاسود الدؤلی، ان کے متعلق امام احمد العجلیؒ (۲۶۲ھ) ''كتاب الثقات'' میں لکھتے ہیں: ''وهو أول من تكلم في النحو.'' (الثقات: ۸۰۴)

حافظ ذہبیؒ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے تاریخ اسلام اور ابن ندیم نے ''الفهرست'' میں کئی ایک مسند روایتیں ذکر کی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ علم النحو کی باقاعدہ تدوین بھی انہوں نے کی۔ حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں: ''وقد أمرهٗ علي بوضع النحو.'' اگلے صفحات میں حافظ ذہبیؒ نے وہ بات ذکر کی ہے جو ہمارا مقصود ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''فلما أراه أبو الأسود ماوضع، قال: ما أحسن هٰذا النحو الذي نحوت و من ثم سمي النحو نحوا.'' (تاریخ اسلام، ج:۲،ص:۷۳۵، دار الغرب)

مندرجہ بالا عبارت کے پیشِ نظر بطور دلیل یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حضرت ابوالاسود الدؤلیؒ کے مدون کردہ نحوی کتابچہ کو دیکھنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی مدح وتحسین فرمائی۔ (اور یہ تقریظ بصورتِ تبصرہ تھی، کیونکہ تبصرہ جب کتاب کے محاسن کو پیشِ نظر رکھ کر کیا جائے تو وہ تقریظ بن جاتا ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل آتی ہے) اگر تقریظ' مؤلف اور مؤلف کی خوبی بیان کرنے کا نام ہے تو یہاں دونوں وصف موجود ہیں، تبھی تو انہوں نے فرمایا کہ: یہ کیا ہی شاہکار طریقہ ہے، چنانچہ یہ حسنِ تالیف کی طرف اشارہ ہے، پھر فرمایا: ''الذي نحوت''یعنی جس کا ارادہ آپ نے کیا ہے، گویا کہ صاحبِ تالیف کے کمال کی گواہی ہے۔ مذکورہ بالا دلیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خیر القرون میں اگرچہ مروجہ تقریظ کتاب کا وجود نہیں، لیکن کم از کم تقریظ کے لیے اصل کا پتہ چلتا ہے، جس کی بنیاد پر بعض لوگوں کا تقریظ کے متعلق یہ دعویٰ کہ یہ بھی اہلِ عجم خود ساختگی ہے، قابلِ التفات نہیں۔

۲:- امام مالکؒ نے مؤطا کی تصنیف سے فراغت کے بعد اس کی اشاعتِ عام سے پہلے علماء مدینہ کی تائید حاصل کرنے کی غرض سے اپنی کتاب کو ان کے سامنے پیش کیا، چنانچہ سب نے اس کی تحسین کی، علامہ زرقانیؒ اس کو یوں لکھتے ہیں:

''وروی أبوالحسن بن فهر عن علي بن أحمد الخلنجي: سمعت بعض المشايخ يقول: قال مالک: عرضت كتابي هٰذا على سبعين فقيها من فقهاء المدينة، فكلهم واطاني، فسميته الموطا.'' (زرقانی، ج:۱،ص:۶۲، ط: مکتبۃ الثقافیۃ)

مذکورہ عبارت اگرچہ تقریظِ کتاب یا تقدیم کتاب کے لیے تصریح نہیں بن سکتی، لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ خیر القرون میں مرتب کیا جانے والا حدیث کا صحیح ترین ذخیرہ ہے، اور مجموعہ کے مؤلف

نے کتاب کے متعلق اربابِ علم کی رائے جاننے کے لیے ان کی خدمت میں کتاب پیش کی، تو سب نے اس کی توثیق اور تحسین کی۔ فقہائے مدینہ نے اگرچہ امام مالکؒ کی کتاب کے صحیح ہونے کی تصدیق کی، لیکن یہ حقیقتاً تقریظ ہی تھی اور یہ بات آئندہ آنے والی شرائط سے بخوبی واضح ہوتی ہے۔

۳:- امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) کی بے نظیر ولاجواب کتاب ''**الجامع المسند الصحیح المختصر من أمور رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و سننه و أیامه المعروف ب ''صحیح البخاري**'' جب تکمیل کو پہنچی تو انہوں نے اس کو مشاہیر پر پیش کیا، جس مین امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ)، یحییٰ بن معینؒ (۲۳۳ھ)، علی بن المدینیؒ (۲۳۴ھ) جیسی نابغۂ روزگار اور علمی شخصیات شامل ہیں، چنانچہ سب نے اس کو اچھا جانا، مگر چار روایتوں پر عدمِ اعتماد کا اظہار کیا۔ حافظ صاحبؒ اس کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''**لما ألف البخاري کتاب الصحیح عرضهٗ علٰی أحمد بن حنبل و یحیی بن معین و علي بن المدیني و غیرهم فاستحسنوه و شهدوا له بالصحة إلا في أربعة أحادیث.**'' (الھدی الساری، ص:۹، دارالسلام)

ان ائمہ کا مذکورہ تبصرہ چونکہ مدحیہ تھا، لہٰذا یہ تقریظ کہلایا، پھر یہ تقریظ کی شرائط سے ہم آہنگ بھی ہے کہ کتاب میں موجود مصدقہ مواد کی گواہی دی گئی اور قابلِ نقد پہلو کو اجاگر کیا گیا، جیسا کہ عنقریب آنے والی شرائط سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ **(جاری ہے)**

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....